

بُل کی چکی اٹھیں۔ بچنے سے قبل حیرت سے چیل گئیں جیسے کہ رہی ہوں ہم تو صرف کھیل رہے تھے یہ تم نے کیا کیا؟ پھر اس کی ٹانگیں یوں لرزیں جیسے کسی نے ان میں سے ٹہریاں کیتیں ڈالی ہوں اور وہ کپکیا کر دیں ڈھیر ہو گیا۔ مردم کی شبیہ کے آگے مجھے انتونیو کے باپ کے کافی میں بل رنگ سے آپنا سوتا تالیوں کا شور ایک دل آدینہ دھن کی صورت میں اُڑا اور وہ سجدہ ریز ہو گیا۔ بلاشبہ آج قرطباً کے بل رنگ کی رسیت پر ایک ایسے بُل ناظر کے قدم بھے ہوئے تھے جو عظیمِ مدنالیت سے کسی طور کم نہ تھا۔ سان مرینیو کے محلے میں پروردہ میں عظیمِ بُل فاسٹروں کے ساتھ اب انتونیو بھی کندھے ملا شے کھڑا تھا۔ تاشائیوں کے ہاتھ جب تالیاں پیٹ کر دکھنے لگے اور ان کے گھے رنگھے تو انہوں نے اکھاڑے پر دھا دا بول دیا اور انتونیو کو اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ انتونیو نے اپنی آنکھوں میں آئی ہرثی نبی پوچھے بغیر بڑے فخر سے پادری کی کیہن کی جانب دیکھا۔ پادر جا چکا تھا۔

اُس رات قرطباً کے گلی کو چون میں لاٹینیوں کی ناکافی روشنی تھے انتونیو کی شجاعت کی داستانیں سناتی جا رہی تھیں۔ اس کے خوبصورت فن کی داد دی جا رہی تھی۔ چکوں کے وسط میں فواروں کی منڈیوں پر۔ میٹھے لوگ اس کا تذکرہ کر رہے تھے اور شرکے تمام قہوہ خالی میں ایک سی موضوع تھا..... انتونیو! مسجد قرطباً کی دیوار کے سامنے "بار مکینا" میں انتونیو و ستوں اور مادا جوں کے ہجوم میں گھرا اپنے تاثرات بیان کر رہا تھا۔ شراب خانے کے مالک نے کاڈ ناظر کے پیچے دیوار پر انتونیو کی تصویرِ مدنالیت کے خاکے کے ساتھ آدینہ اور میاں کر دی تھی۔ "میوزے دے تو روں" کے اس اہل کے نام جواب ہمارے انتونیو کے لیے تعمیر ہو گا۔" مالک نے شمپیٹن کی ایک بول کا کارک اُڑا تھے ہوئے جو شش میں اکر کر کہا۔

"ولیا" سب نے مل کر نعرہ لگایا اور اپنے گلاس خالی کر دیتے۔

مگر ایسا سینیر، انتنیور نے جذبات سے رُذھی ہوئی آواز میں شکر ہے ادا کیا اور
چھرائیں کی نظریں تھوڑے خافیے کے اُس کرنے پر پھر گئیں جہاں پا دروائیں ہنگامے
سے لاتعلق سر جھکاتے برا بندی پی رہا تھا۔

«انکل پا دروایں اپ کی رائے جانتے کے لیے بے چین ہوں ॥ انتنیور اپنا
گلاس اٹھا کر پا درو کے پاس چلا آیا۔

«میں اپنی رائے کا انظہار صرف اسپانا کے کالم میں کرتا ہوں۔ پرسوں پڑھ
لینا ॥ پا درو نے سر و مهری سے جواب دیا اور پھر سر جھکا کر برا بندی پیٹنے میں مشغول
ہو گیا۔

چبیلی اور نازنگیریں کی ہل جملی خوشبو سمجھیتے خوشگوار ہوا کا ایک جونکا کھلی
کھڑکی میں سے آیا اور انتنیور نے آنکھیں کھول دیں۔ ہر طرف روشنی تھی جنڈا جیا
وہی نہیں ایسے والی روشنی۔ اُس کے بدن کا رُواں رُواں دکھ رہا تھا۔ سوچی ہوئی سُرخ
آنکھوں میں روشنی کی کرنیں کسی پکا ڈور کی بمحی کی طرح چھڑ رہی تھیں۔ یہ
چھکے دور و زکی دعوتوں میں کثرتِ شراب نوشی کے آثار تھے۔ رہ ماننے پر تھیں
جمائے مشکل بتر سے اٹھا اور نیچے پا تیوں آگیا جہاں خوبصورت آہنی جنگل
میں آج کا «اسپانا» الٹکا ہوا تھا۔ انتنیور نے فوراً اخبار اٹھایا اور بے صبری سے
صفحاتِ لشتنے لگا۔

«انتنیور۔ یہی فائناںگ کا قاتل، پا درو کے کالم کی سُرخی تھی۔

«ہا۔ انکل پا درو کا طبیعت مزاج، انتنیور نے سوچا اور دھڑکتے دل سے کالم
پڑھنے لگا۔ آخری سطروں تک پہنچتے پہنچتے اُس کی ٹانگیں جواب دینے لگیں بنیں
الیسا نہیں ہو سکتا۔» اُس نے یہ لیقینی سے سر ہلایا۔ «انکل پا درو میرے ساتھ ایسا
نہیں کر سکتا۔» اس خیال سے کہ شاید وہ پا درو کی ادبی زبان کو سمجھ نہیں سکا۔ اس
نے کالم ایک مرتبہ پھر شروع سے آخر تک پڑھا، نہیں یہ ادبی مزاج بھی نہیں تھا۔

یہ ایک ایسا کام تھا جو جان بوجو کر ایک سوچے سمجھے منحوبے کے تحت انtronise کو مکمل طور پر برپا کرنے کے لیے لکھا گیا تھا۔ بقول پادر و پچھے ازار انtronise نامی ایک عین معروف بیل فائزٹر نے قرطیب کے اکھاڑے میں اپنے پچھاڑ کمبل اور اس میں اپنی ذات کے انہار کی کوشش میں بیل فائٹر کے کمبل کا مستقبل تاریکہ کر دیا۔ بیل فائٹر کے قدیمی ورثے میں اگر سائنسی تحقیک کے ساتھ ذات کا انہار بھی شامل کر دیا جائے تو پھر اسے بیل فائٹر نہیں کہا جا سکتا۔ انtronise نے تحقیک پر ذاتی اختراع کو ترجیح دی ہے۔ بیل فائٹر میں اگر لگے بندھے اصولوں پر بیل فائزٹر کی ذات حاوی ہو جائے تو اسے بیل فائٹر کی تجارت کسی سرکس کا رخ کرنا چاہئے۔

پادرو نے ان چند سطروں سے ریاضت، شرق اور گلن کی اُس غارت کو ڈھا دیا تھا جسے انtronise اپنی زندگی کے بہترین برسوں کی قربانی سے تعمیر کیا تھا۔ اس نے آپا نما "تکر کے جیب میں اُڑسا اور بوجبل قدموں سے چلتا ہوا اس بار مسکتیا" میں آگیا۔ خالی شراب خانے کے کاؤنٹر کے پہنچے ماک کی لڑکی ماریا ایک پڑے سے گلاس چکانے میں مصروف تھی۔ انtronise کو دیکھتے ہی اس نے اپنی مٹیاں بھیجنے لیں اور کاؤنٹر پر کھنیاں ٹیک کر کھنے لگی۔ ادھ انtronise کو سنتے عظیم ہوا۔ انtronise نے تکر لئے کی کوشش کی گر اس کی آنکھوں میں نمی کی لکیر بوجبل ہونے لگی اور اس نے مذہ پھیر لیا۔ اس کی پسندیدہ شراب مونیلا کی بوتل اور گلاس میز پر رکھنے کے بعد ماریا کو گھوٹ پڑھ رکھ کر سنجیدگی سے بولی "انtronise! اقرطہ میں صرف پادرو ہی تو نہیں ہزاروں دوسرے توگ بھی تو ہیں جنہوں نے محارا تکیل دیکھا تھا اور تم اُستد غفتائیک" اس نے تجھ کر انtronise کی پیشانی پر بوس دیا۔ مقدمہ مریم نے چاہا تو پادرو جنم کی آگ میں جلسے گا۔

انtronise نے بوتل کھول کر شراب گلاس میں اُندیلی اور پھر اسے ایک ہی سانس میں خالی کر کے بوتل کو مٹہ لگالیا۔ بوتل میں لبقیہ ماندہ شراب کے قطے چوت سے لکھ لاثین کی روشنی میں جگ لگائے اور اس کے دل میں اُداسی تندورتہ

اُتر لے گی۔ بے خوف اور غلطت کی چنانیں رینہ رینہ ہو چکی تھیں۔ خوف اور ناکامی کے ادھم مٹے سنپول لئے پھر سر اٹھا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ شراب خاد جھرنے لگا۔ دوسرا میزوں پر میٹھے لوگ اس کی جانب دیکھتے اور سر جوڑ کر کھسپہ کرنے لگتے۔ پرسوں شب کے بر عکس ماحل بیجید سجدہ تھا۔

”ہیلو انستینیو“ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو درجہ دوم کا گرفتم بُرہ مسکرا رہا تھا۔

”ڈان منوٹل پا درو“ انستینیو نے نہایت ادب سے جواب دیا اور آٹھ کھڑا ہوا۔ آنکھ پادرو میں ہمیشہ سے آپ کی عزت کرتا چلا آیا ہوں..... ایک بزرگ کی حیثیت سے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ..... اس نے جیب میں سے ”اسپاٹا“ نکال کر پادرو کے سامنے پھیلا دیا۔ کہ میں نے کیا قصور کیا ہے؟“

”قصور؟“ پادرو کا چہرہ مسکراہست سے ایک دم عاری ہرگیا۔ تقمٹے بلغاں لگ کی مقدس روایت کو توڑنے کا جرم کیا ہے۔ دیرینگا کا پاس دیتے وقت دائیں کی سمجھائی مختاری نظری باعث تھیں۔ تقمٹے پنجوں پر گھومنتے ہوئے سرخ کپڑا پوری طرح نہیں سمجھا تھا۔ مختاری گردن کا زاویہ درست نہیں تھا۔ انستینیو بلغاں لگ کے فن میں بلغاں لگ فاٹر کو ذات کے اظہار کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔“

”پادرو انکل“ انستینیو کی آنکھیں عنق سے اُبلینے لگیں۔ میں ایک چانپ کی گلیاں نہیں ہوں جس کی حرکات سر امر میری کانکی ہوتی ہیں۔ میں ایک سوچنے والا جانور ہوں میری بیج اگر بھسے کیکھتی ہے کہ میں پنجوں پر گھومنتے ہوئے سرخ کپڑا پوری طرح نہ سمجھیں تو مجھے اس کا حق حاصل ہے۔ جس فن میں میں اپنی ذات کا اظہار نہیں کر سکتا اسے میں فن مانند سے انکار کرتا ہوں۔ اب ہم نئے بلغاں لگ فاٹر اسکوں کے پنجوں کی مانند سبق رٹ کر طوطوں کی طرح فر فر نہیں مٹا سکتے۔ اب یہ فن یا تو ہماری ذات کے اظہار کا ذریعہ بننے کا یاختہ ہو جائے گا۔ ہم سے نئی بنیادوں پر استوار کریں گے۔“

”اور اسی لیے تم کبھی بھی ایک ناموڑیں بلغاں لگ فاٹر نہیں بن سکتے۔“ پادرو کا چہرہ۔
اب پتھر تھا۔

اُل کو روپیں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جس نے میں فائلنگ کے قام
مردوجا اصولوں کی خلاف درزی کی ہے اور وہ اس پوری دُنیا میں عظیم ترین میں فائلنگ
مانا جاتا ہے۔“

”وہ بھانڈ.....“ پادرو اگر شراب خانے سے یا ہر سہ تا تو یقیناً لغت سے تھوڑی
رتایا۔“ وہ فائلنگ مداری ہے جو صرف اپنی شخصیت سے لوگوں کو متاثر کر لیتا ہے۔
آج تک کسی جید نقاد نے اس کے فن کی تعریف نہیں کی.....“

”وہیا کے لاکھوں لوگ اس کے فن کی تعریف“
”لوگ کیا ہوتے ہیں انٹونیو“ پادرو کا بھاری جسم غصت سے کانپنے لگا۔ فن کی
قدرت انی صرف وہی ماہر کر سکتے ہیں جو اس کے قاعدوں سے آگاہ ہوں۔ لوگ؟
ہونہ کا پڑھ دیتا ہیں کی نظریں فن کی باریکیوں کی بجا شے میں فائلنگ کے شوخ
لباس اور بچھرے ہوئے بالوں کو دیکھتی ہیں۔ جبکیں یہ بھی معلوم نہیں کہ باندر بیوی کی
برچھیاں گھاڑتے وقت میں فائلنگ کو جھکنا نہیں چل ہیئے۔ ایک مرتبہ جبکیں نے ولنسی
کی ایک میل فائلنگ میں باندر بیوی کاڑیں تو.....“

انٹونیو بے اختیار ہنپنے لگا۔ یہ شخص ایک نذر نقاد تھیں۔ یہ تو صرف ایک
خفت زده آدمی ہے۔ ایک ماضی پرست کھوکھلا انسان جو ہر اس تدبی سے
خالق ہے جو اس کے بڑے سر میں اٹھ کے ہوئے چھوٹے سے ذہن میں نہیں
آتی۔ جو سماں ہوؤ اس خیال سے کہ کہیں زوجان نسل کی بے پناہ صلاحیتیں اس
کے عامیا نہ ماضی کے کھنڈ رکوبی ایک پیشی میدان میں مبدل ڈالیں اور اسی لیے
وہ ایک بند رکی طرح اپنے ہاتھ میں آئے ہوئے اُسترے کو اپنی خود تعمیر کر دعویٰ میں
کے دفاع کے لیے بے دریغ استعمال کرتا ہے۔ ایک قابلِ رحم شخص جو اگر اپنے
محدود تجربے کی روشنی سے نئے میں فائلنگوں کو راہ دکھاتا تو قابلِ عزت نہ ہوتا۔

”پادرو.....“ انٹونیو نے نہایت اطمینان سے اس کے کندھے پر ہاتھ لکھتے
ہوئے کہا۔ ”لہبہ آپ نے آج سے ہچکیں برس پشتہ ولنسیہ میں بہترین میں فائلنگ کا

مخاہرہ کیا ہو گرفتہ سئے بیت گئے ۔

پادرو نے سرچکالیا اس کی آواز میں ظہراً اور دھیاں تھا۔

”نهیں ان تو نیز اعظم عمارتوں کی بنیاد صرف ایک مرتبہ رکھی جاتی ہے۔ اس میں بار بار قدیم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی شراب خانے کے دروازے میں سے تھیں لیکن ایسی چار دلداری نظر آرہی ہے جس کے درمیان گئے وقت میں رو میوں کا ہیں تھا، پھر اسے ڈھاکر گوئھوں نے اپنا مندر بنایا۔ عیسائیوں کو غلبہ حاصل ہوا تو انھوں نے اسی کی بنیادوں پر سینٹ ونسٹ کا کلیسا تعمیر کیا۔ پھر افریقی سے مور آگئے انھوں نے یہیں انہی بنیادوں پر مسجد قرطبا کے سtron آخانے۔ عیسائی واپس آئے تو اس مسجد کو ٹھیکیا میں بدل دیا۔ بنیاد وہی رہی مگر اس پر متعدد اعظم عمارتیں اُٹھتی رہیں ۔“ مگر ان تمام عمارتوں کے معماروں نے ہر محارب، ہر ستون، ہر چیل میں اپنی ذات کا اظہار کیا ۔ ان تو نیز جوش سے کہہ رہا تھا: اگر ذات کا اظہار مقصود نہ ہوتا تو یہاں آج بھی رو میوں کا ہیں نظر آتا۔ اسی طرح ہم نہیں چاہتے کہ بُل نائٹ کامقدس معبد آج سے چاہس بُل پہلے کی صورت میں اکھڑا نظر آئے۔ ہمارے جیسے نئے عقیدے کے لوگ چاہتے ہیں کہ اس کی جگہ پہلے سے بھی خلصورت اور بہتر عمارت اُبھرے۔ جیسے جیسے حدس سینٹ ونسٹ کے کلیسا کی بنیادوں پر مسجد قرطبا کے ستوں کے جنگل اُٹھے اور اپنے اندر اظہار کی خلصورتی سمیٹ لی“

”تم سے بحث فضول ہے“ پادرو اپنے بھاری مجرم کو بشکل حرکت میں لا کر اُٹھ بیٹھا۔ لیکن جب تک میرے قلم میں طاقت ہے میں بُل نائٹ کے اکھاٹے کی ریت کو تم جیسے نہ آموز اور اپنی ذات میں گرم بُل فائزروں کے ناپاک قدموں سے آگرہ نہیں ہونے دوں گا۔“ اور شراب خانے سے باہر چلا گیا۔

بُل نائٹ کے کالم نگار ہے پانی میں بے حد اثر درسوخ کے مالک ہوتے ہیں۔

ہن کے قلم سے مکلا ہر ایک لفظ کسی گناہ و رمیانے دیجے کے بُل ناشر کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے یا کسی ہرمند نوجوان کو تباہی کے غار میں دھکیل سکتا ہے۔ کسی غیر معروف اکٹھائے میں اگر ایک نوجوان بُل ناشر فن کی بلندیوں کو پھر بھی لے تو کیا۔ ہماروں تماشاٹیوں کی داد فاٹ ختم ہوتے ہی یہ سودا اور اس کے بعد کالم نگار کی ایک سطر اس درج پر حاوی۔ خاص طور پر بڑے شہروں میں تو کسی بُل ناشر کے مقام کا تعین صرف کالموں سے پرکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ صلاحیت کا باذبافی جہاز اپنی جگہ گریہ جہاز تک شہرت کے سندروں میں روایا نہیں ہوتا جب تک اس کے باذبافوں میں تلقافتی عارکی ہوا نہ بھری جائے۔ چنانچہ بُل ناٹنگ کا کالم نگار ایک بیک میلر کی طرح انتہائی آرام وہ زندگی گزارتا ہے۔

حسب توقع پادرو کا کالم چھپتے ہی بُل ناٹنگ کے مرکزی اداروں نے انتونیو کے وہ تمام معابرے منسون کر دیئے جن کے تحت اسے مکہ بھر میں اپنے فن کے جو صرہ کھاتے تھے کسی دوسرے شہر میں تو کجا انہوں کے یہ قرطیب کے بُل رنگ میں بھی داخل نہ ملکن ہو گیا۔ آخر پادردا اپنے کالم میں قرطیب کے بُل رنگ کے کرتا وہ تارکوں کو بھی تو گرد سکتا تھا۔

دن گزرتے گئے اور انتونیو اپنے باپ کی درکشاب میں بیٹھا گزدھارہ۔ اب اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہ نہیں کہ وہ چند لمحوں کے لیے "بازیکیتا" میں ہی جا کر بیٹھے کے۔ بالآخر میں کامیڈی آیا جس کے پہلے سبقتے میں سالادہ "فی استا" منعقد ہوتا ہے۔ قصہ و موسیقی کے اس جشن کا اختتام قرطیب کے بُل رنگ میں ہوتا ہے جہاں (آموز قسم کے بُل ناٹرلوگوں کی تفریخ طبع کی خاطر کھبیل میں حصہ لیتے ہیں۔ ایک شام جب انہوں نے پاتیوں کی دیواروں پر شکے پھولوں کے گھوڑوں کو پانی نے رہا تھا میں پل کار پر لیش کے ہر کارے نے اس کے ہاتھ میں جشن کے آخری روز کی بُل ناٹیں میں شامل ہونے کا دعوت نامہ تھا دیا۔ یہ کارستانی یقیناً کسی ایسے کلرک کی تھی جس کے غور رذہن سے دعوت نامے جاری کرتے دلت پادرو کا کالم اُتر گیا تھا۔

بُل رنگ کے درمیان میں ایک بُرنا سخراہ سرخ کپڑے پہنے ایک مریل سے بُل کے آگے قلا بازیاں لگا رہا تھا اور نئے میں چور بے نکار تھے تا شایوں نے آسمان سر پاؤٹھا رکھا تھا۔ انتونیو گلیری پر گئیں ٹکائے بُل فاٹ کے موئیتی بیاس میں طبوس اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ الیسی بُل فاٹ میں حصہ لینیا اُس جیسے باحال بُل فاٹ کے شایاں شان نہ تھا۔ اس پُر شور ہجوم میں کوئی شخص بھی بُل فاٹ گئیں تو پس پنچھی نہ کھتا تھا۔ وہ یہاں صرف شراب لُوشی کرنے، چینے چلانے اور گالیاں بکھنے کے لیے آتے تھے۔

”ایمگر“ سخراہ اکھاڑے سے باہر گرا انتونیو کے پاس اکھر کھڑا ہو گیا اور اپنی بیخونی ٹوپی اُس کے سر پر جادوی سائبیم لوگوں کو ہنساؤ“ اردو گرد بیٹھے نمودر تماشائی بے تحاش ہنسنے لگے۔ انتونیو نے انتہائی بے لبی کے عالم میں ان کی جانب دیکھا۔ بیخونی ٹوپی سے اُتا کر سرخ کپڑا ہاتھ میں تھا میں چکے سے اکھاڑے میں داخل ہو گیا۔ لوگ خوش گپیوں میں صردت تھے کسی کو ذرہ برابر پرواہ نہ تھی کہ اکھاڑے کے اندر کھڑا بُل فاٹر لکھنے ہے؟ زندگی میں پہلی مرتبہ انتونیو تالیوں کی گنجخے کے بغیر بُل رنگ میں داخل ہڈا تھا پاڑو حسپ معلوں اپنی مخصوص کیمی میں بست بنا بیٹھا تھا۔ اس دران ڈگل بجا اور ڈھنڈے کا روں نے سرخ چاہا کھول دیا۔ انتونیو نے اپنی جیکٹ درست کی۔ تن کر کھڑا ہوا، اور پوری طرح مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ سرخ چاہا کھکہ میں سے نکلتے ہی بُل نے اکھاڑے کا ایک چکراں شان لے نیازی سے لگایا جیسے اُسے بُل فاٹر کی جانب دیکھنا بھی کوارا نہ ہو۔ اس پر اکھر ڈگ قلعے لگانے لگے۔

”سخراہ کی ٹوپی پہن لیتے تو بُل صردو متوجہ ہو جاتا“ انتونیو پر آوانے کے لئے گئے۔

”ہے ہے“ سرخ کپڑا چھیلاتے ہوئے انتونیو نے لکارا۔ بُل نے اپنی موٹی گروہ گھما کر چیچے دیکھا اور پھر گلیری کے ساتھ ٹکک کر گئیں کھڑا ہو گیا جیسے اس کاڑنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ تماشا یوں کے تختیر آمیز تھے اور سیاں انتونیو کے جسم میں تیروں کی طرح پریست ہو گئے۔ سخراہ نے پھر اپنی ٹوپی اُتا کر انتونیو کے تدمول میں چینکیتی۔

مپسون و پین لو نظر سے لگتے گے۔

انتونیو نے اپنے دو فوں ہاتھوں سے کپڑا تھام رکھا تھا درود وہ اپنی آنکھوں میں اتری ہر فی منی کو پوچھتا جس میں سے بُل اُسے ایک دھنڈلاتے ہوئے خواب کی طرح دھماقی دے رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا گیری کے نزدیک آیا اور سرخ کپڑا بُل کے آگے بچھا دیا۔ بُل نے اپنی خوشی کپڑے پر کرد کر اسے سوچھا۔ انتونیو نے کپڑے کو بہت آہستہ سے اپنی جانب کھینچا۔ بُل اُس پر خوشی رکھے چند قدم آگے آگیا۔ پھر انتونیو تین ریخ کپڑا گلیٹھا گیا اور بُل اُسے سوچھتا اس کے چیچے تیچے چلتا آیا۔ میدان کے دریان میں پہچ کر انتونیو نے سرخ کپڑا ایک جھٹکے سے اٹھا دیا۔ اپنے آگے بچھے ٹھہرئے کپڑوں کو یوں چشم زدن میں غائب دیکھ کر بُل نے سر اٹھایا تو سامنے انتونیو کھڑا تھا۔ گلیری کے چیچے بیٹھے ہوئے چند لوگ کھیل کی جانب متوجہ ہو گئے۔

” ہو ہے ” بُل کے آگے سرخ کپڑا مرلتے ہوئے انتونیو نے بڑے اطمینان سے کہا۔

بُل جسے اس کی صرفی کے خلاف دھو کے سے میدان میں گھیٹ لیا گیا تھا۔ ایک دم پنکارتا ہوا حملہ آور ہرگیا۔ اس کے سینگ جب انتونیو کے سینے پر دنک دینے کرتے تھے تو اس نے فوراً سرخ کپڑا گھیٹ لیا۔ بُل اپنے منظم میں بھاگتا ہوا اور نکل گیا۔ تاشائیوں کی اکڑیت اب اس بُل فاٹرکی جانب متوجہ ہو گئی جو ایک بُزدل بُل کو کمال چاہدھتی سے میدان میں گھیر لایا تھا۔ بُل دوسرا مرتبہ جملے کے لیے دوڑتا آیا تو انتونیو اس انداز میں گھوما کر سرخ کپڑا ایک بادے کی صورت میں اُس کے جسم سے پیٹھ کلاسیکی روایات کے عین مطابق تھے اور ان میں ذاتی انہار کا شائستہ تک رہ تھا۔ پسی ٹلی جا مدد رواشت کا انداز۔ انتونیو نے جیسے تاشائیوں پر جاؤ دھپنگ دیا ہو ذہ خمار کی حالت سے نکل کر اپنی نشست پر اکڑوں بیٹھے بے تحاشتا تالیاں پیٹھ رہے تھے۔ پا درو کے چہرے پر مکراہست کھیل رہی تھی۔

اب انترنیز خطرناک حد تک بُل کے نہ دیکھ چلا گیا۔ بُل نے سر اٹھایا تو انترنیز نے سُرخ کپڑا تاں کر آہستہ سے جھٹکا۔ جو سنی بُل حد آور ہونے لگا، انترنیز اتنی چاکدستی سے کپڑے کر کینیج کر گھما دیا کہ بُل متذبذب ہو کر اگلی ٹاہن پر گتے گئے بچا کہا جاتا ہے کہ اس انداز سے بُل کو گرا لینا کلاسیک بُل فائٹنگ کی معراج ہوتا ہے۔ تمام تباشی نشتوں پر کھڑے تالیاں بجا بجا کرواد فرے رہے تھے۔ عورتوں کا انسر تھیں نہار سے تھے اور دہ فرطِ مرتبت سے مغلوب ہو کر باول میں لگے چیلی کے پھول اتار کر اکھاڑے میں پھینیک رہی تھیں۔ مردوں نے عقیدت کا انہار میدان میں اپنی گھر بیان، بُڑے، رُو مال اور ڈنگیزے پھینیک کر کیا۔ موسیقاروں کا طائفہ بُڑے زور شو سے پلیڑا کی دُھن بھارتا تھا۔

تم نے کلاسیکی رواست کو پھر سے زندہ کر دیا ہے میرے بیٹے یا پادر و بھی اپنی نشت پر کھڑا سچ رہا تھا۔

انترنیز بیٹے پتھر کا ہو گیا ہو۔ تباشیوں کے لفڑوں کے جواب میں ہاتھ تک نہ ہلایا۔ چپ چاپ کھڑا رہا۔ جنم سُمہ!
بُل اب ایک مرتبہ پھر اکھاڑے کے مرکز سے دُور گیروی کے ساتھ پاشت لگائے کھدا تھا، مگر بھاگنے کی نیست سے ہنسیں، بلکہ اپنی پُوری قوت سے دُور کر حد آور ہونے کے لیے۔

سے تو رو“ انترنیز نے سُرخ کپڑا جھٹکا۔ آدمیرے پاس آؤ ۔۔۔
بُل رُنگ پر سکوت طاری ہو گیا۔ اُج سے چہ ماہ پیشتر کی اُس شب کی طرح جب پچھلے پر کی مدھم چاندنی میں یہ ایک قدیم یونانی تیڈر کا کھنڈ رُنگ رہا تھا۔ ہر سُرخا موشی تھی۔ اس سکوت میں ایک مرتبہ پھر انترنیز کی مرداذ آواز گوئی۔ ہے تو رو“

بُل نے اپنے سے بیس گز دُرساکت کھڑے انسان جسم کو چلتی آنکھوں سے جانچا اور پھر اس کے پھیلائے ہوئے کپڑے کی جانب بے تحاشا دُڑنے لگا۔

انتونیو نے اپنے پیریٹ کی جانب بڑھتے ہوئے تو کہا ریزینگوں کو دیکھا۔ جب دلوں کے درمیان صرف پانچ گز کا فاصلہ رہ گیا تو انتونیو نے ایک دم سرخ پیرا لگھا کر دُور چینیک دیا اور دلوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے یوں کھڑا ہو گیا جیسے وہ میل کر آغوش میں لے لینا چاہتا ہو۔

”آجاؤ“ وہ زور سے چھینا اور اُسی لمحے میں کے تیزینگ انتونیو کی سُنْہری جیکٹ کو چھاڑتے اُس کی چھاتی میں پریست ہرگئے۔

گیس حمیشہ

محے زندہ رہنے کے لیے تین چڑیں درکار ہیں۔ ہوا، دودھ اور فنید۔

جب وہ مجھے ہسپتال سے لاتے تاہمی میری آنکھیں بند تھیں۔ پیوں کے پرے مناظر پھیلے ہوں گے جو میں پہلی مرتبہ دیکھوں گا۔ مناظر ہوتے چاہئیں۔ اگر نہ ہوتے تو میری کھوپٹی میں ان دوچھیدوں کی کیا ضرورت تھی؟

منا ہے یہ منتظر، یہ شبیہیں خلصورت ہیں مگر مجھے تو پچھلے دس روز سے یہ دکھائی نہیں فیضے۔ صرف ایک آبی پروفیٹ ہے میرے اور ان کے دیباں۔ اس آبی پروفیٹ اور ایک متواتر جلن کے عیچے کچھ چڑی حركت کرتی ہیں۔ جاندار اور بے جان۔ گھٹیا آئینے میں ڈوبتے، امجرتے، غیر و اخیغ لکھ میتھر کبھی صاف نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے اس دنیا میں منتظر ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہوں۔

بلقیسم کی طرح میرے پیوں کے عیچے مجھی کچھ آٹا ہیں، زرم فرم گوڈا۔ عیچے کا جسم کیا ہوتا ہے؟ کچھ گوشت اور حیات اور پانیوں کا خنکہ ہا ہو امر کب۔ آہستہ آہستہ

میرے کردار کی ہوا میں گئیں ہے۔
ماں کے پیٹ میں بھی میں سانس لینے کے عمل سے ناواقف تھا اگرچہ لیتا
تھا مگر ناواقف تھا کہ یہ اس زمامہ سے میرے بدن میں چلتا تھا جیسے اُوچے
درختوں کی چٹپیل کو ہوا چھپتی جاتی ہے تھرتے کو خبر تک نہیں ہوتی میں بدن
کے تنے میں کروٹ میں بدل کر باہر آنے کی خراہش کا اظہار کرتا تھا۔ اور جب باہر آئے
کے بعد پہلی مرتبہ میں نے مٹھکھلا، پھیپھڑے بھینچ کر ہوا کو اندر کھینچا تو ہوا کے
سانس تھا وہ کہتے ہوئے ذرے محیی مجھ میں داخل ہو گئے۔ اب میں اوقیت سے

بخارا کی خاطر صرف اس وقت سائنس لیتا ہوں جب میرا منہ کتا چھول کی طرح خود بخوبی
چلتا ہے اور جو سہنی سائنس لینے کی نالی پر گھیں کے آئے چلتے ہیں پھر بند ہو جاتا
ہے۔ میں دن رات سائنس لینے کا جتنی کرتا ہوں۔ میرے گز نتازہ ہوا کیونکہ نہیں؟
گھیں، بذاروں، پورا ہوں میں اشک اور گھیں چھوڑنے کا مقصود جانے کیا
ہے؟ شاید وہ اس دنیا میں آئے والی ہر تی زندگی، ہر نئے خیال کا دم گھونٹ دیتا
پاہتے ہیں۔ اس کے سعید و حوشیں میں لپٹا کر دفن کر دنیا چاہتے ہیں..... کیوں میں
دنیا کی بجائے کسی گھیں پھر میں تو پیدا نہیں ہو گیا۔ ایک الیسا گھیں چیز ہو کہ میرے
گرد، میری انھوں سے ناؤں پا پے معاشرے پر محیط ہے، جہاں میری طرح سب
وک روک کر نہ ہر بخت سائنس لیتے ہیں۔

دودوہ والا بھی کئی روز سے نہیں آیا۔ باہر کو فیرتے۔

میری ماں کی چاتیوں میں دودوہ خشک ہو چکا ہے مگر کو الوں کی بھیں سوں
کے قسم اس سے بھرے ہوتے ہیں۔ لیکن دودوہ والا تو کئی روز سے نہیں آیا۔ وہ مجھے
ڈوبے کا دودوہ پلاتے ہیں جسے میں پوپل پوپل کر پیا رہتا ہوں اور میرے اندر کافی
جمتی چلی جاتی ہے۔

میرے گردگی ہوا میں گئی ہے۔ دودوہ د والا کئی روز سے نہیں آیا اور نہیں؟
پہلے پہل میں خنیف سی انسانی آواز من کر بھی چونک جاتا۔ میرے سر ہانے
کرنی بلند آواز سے بات کرتا تو میرا جسم یکدم غیر تحرانے لگتا اور میں خوفزدہ ہو کر
باڑا اور ٹانگلیں ہرا میں معلق ہو کر دیتا۔ اگر چاہ تو میری خواہش ہے کہ انسانی منہ
سے نکلے ہوتے تیز انفاظ بے شک میرے کاؤں کے پر وے چیزوں میں لیکن انسانی
ہاتھوں کے تخدیق کر دہ وھا کے، وہ میں نہیں چاہتا، تو میں کہہ رہا تھا کہ پہلے میں
انسانی آوازوں سے بھی کاپ کاپ جاتا تھا مگر اب ان کے ہمراہ میرے زوال بھجتے
کو جھنگھڑ دینے والی، کاٹ دینے والی، ریزہ ریزہ کر دینے والی آوازوں بھی شامل ہیں۔
پھر روک کر چلتی ہیں مگر ایک تسلی کے ساتھ..... بھک بھک تکاٹک۔

اکہ کچھ ایک ہی مرتبہ جسم سے چھپت پڑتی ہیں سکیا دہ انگلی جو بلبی پر جمی ہے نہیں
جانشی کر سکتے کے سرانے شور نہیں کرنا چاہتے؟
یہ شور انھیں بھی خوفزدہ کرتا ہے جو میرے سر انے کھڑے ہوتے ہیں کہ اسے
پیدا کرنے والے اُنمی کے بھائی بند ہیں جو گھریوں، چوراہوں اور بازاروں میں گوں
گھوٹتے ہیں جیسے کسی مفترح علاقے میں گشت کر رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی بجھو
ہوں، ہو سکتا ہے زبھی ہوں۔ یہ تو صرف اُنھیں معلوم ہے کہ وہ ہیں یا نہیں۔
جن سڑکوں پر بچوں کی گیندیں روکھتی رہتیں وہاں خاردار تار کے گولے حرکت
کرتے ہیں، ٹیڈر گیس کے گولے پختے ہیں۔ میں اپنے اِگرد مونے والی باتیں
سمجھتا ہوں۔ چہروں کی پہچان رکھتا ہوں، اگرچہ وہ نہیں جانتے۔ میرے سرانے
کھڑے لوگ اب تک سنگ فائر شین گن کے ریڈ فائر شادی والے گولے سے ڈال کر او
ٹیڈر گیس شیل کے پختے کی آوازوں کا بھید پاچھے ہیں۔ سنگ فائر ایم کی چھپت۔ ریڈ فائر ایم
کے دانے بھٹی میں پاراخ پڑا خاچھل رہتے ہیں، شادی کا گولا! اکافیں کے پرونوں تک پختے
پختے یہ دم خندڑا ہو کر ٹھوٹ ہو جانے والا دھماکا اور ٹیڈر گیس شیل سفید و ہواں ہمپڑتی نیزتی
ہوئی شری۔ مگر مجھے اُن میں سے کسی ڈھاکے کی بھی پہچان نہیں ہو سکی۔ میرے لیے قام
ڈھلکے کی بھی پہچان نہیں ہو سکی۔ میرے لیے تمام ڈھلکے لیک سنتے ہیں۔ مجھے سونے نہیں دیتا
اکھڑا اوقات جب شر کے جڑے نجھے لے رہی سے چباتے ہلتے ہیں۔ چہرہ
اور حلقتیں کی مولوں سے چلنی ہو رہا ہوتا ہے۔ پیٹ میں تدریجیا پاؤ ڈور
چلکیاں لیتا ہے تو میں احتیاج کرنے کے لیے بازو اور ڈھانچیں زور زور سے خلانے
لگتا ہوں۔ گروہ سمجھتے ہیں کہ میں کھیل رہا ہوں اور خوش ہوتے ہیں۔ مجھے فاختی
کا یہی طریقہ آتا ہے میں ابھی اس طریقے سے واقع نہیں ہوں اب ہمارے سڑکوں پر جاری ہے۔
وہ ساتھ دلے کرے میں چھپتے ٹیڈر گیس پر احکام سُنٹتے رہتے ہیں۔ کرفیو میں
زرمی کے اوقات تحریک کی صورت میں پاسے ملکے کے لیے مزرا..... کرفیو گھلتا
ہے تو وہ سب بھیر کر دیں کی طرح گھر سے باہر نکل جاتے ہیں، تازہ ہر ایں میں سانس

لینے کی خاطر جیسے تیدی قید سے چھوٹ جائے، صفائت پرہا ہر جاتے۔ مگر مجھے فرازش کرنے کی ہیں پا محو نہیں تے جاتے اور میں اُسی زہر آلو و ہوا میں سانس لینے کا چارہ کرتا رہتا ہوں۔

جیس ناقابل برداشت ہر جائے تو وہ گلے نومال سے اپنی آنکھیں تصفیہانے لگتے ہیں مگر میری جانب کوئی نہیں دیکھتا۔ میں کتنی مرتبہ کھانا بھی، مجھے اس معاشرے میں جلن سے بچنے کے لیے ایک چوڑا سا گلاب نومال سے دو!

کرنیو کے دوران جب وہ ناش کھیل کر تنگ آ جاتے ہیں تو پھر پرے گرد ہو جاتے ہیں۔ شیشی کرتے ہیں اور میرے بروں کو بار بار چھوڑتے ہیں۔ مجھ سے مسکراہٹ مالختے ہیں۔ میں کیسے مسکراوں کو لب کھولنے سے کیس اندر جاتی ہے۔ میرا اندر جس میں ڈوبتے گے دودھ کا بیپ دبز ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وہ زبردستی میرے لب کھول دیتے ہیں۔ میں کھانے لگتا ہوں۔ ورد کی شدت سے میرے لب سکلتے ہیں اور ملئے گئتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں میں مسکرا رہا ہوں۔ شاید اس دنیا میں اکثر لوگ اسی طور مسکراتے ہیں۔

ریڈیو پر اعلان ہوا ہے کہ قیمیں شیل ختم ہو گئے ہیں۔ شاید اب میں اسافی سے سانس لے سکوں۔ مجھے ابھی تک معلوم نہیں کہ تازہ ہوا کیا ہوتی ہے۔ ہر قن ہرگی۔ جب اس میں سانس لڑ کا تب ماں کا سنبھالی بات کا کیا اعتبار؟ کیونکہ یہاں پر ہربات نتائی تو دیتی ہے گرماصل میں ہوتی نہیں۔

مجھے ابھی تک اپنی صفت کا علم نہیں کہ میرا نام نہیں رکھا گیا۔ وہ لکتے ہیں حالات تھیک ہو جائیں گے پھر کھیں گے۔

ہر اس نچے کی طرح جو اس دنیا میں آتا ہے میں بھی پیدائش کے وقت رو رہا تھا، مگر میری وجہات قدسے مختلف تھیں۔ نماہ کے سکون کے بعد میں بیکدم دھماکوں کی تاب نہ لاسکا۔ اس لیے شاید اس وقت بھی دھماکے ہوئے ہوں گے جب میں ماں کے پیٹ میں پر سکون لیٹا تھا مگرہاں ان کی آواز مجھ

نہیں پہنچ پائی۔ دیے کرئی کوئی ایسا ستم ضرور ہونا چاہیے کہ جس سے باہر کی صورتِ حال کا پتہ چلتا رہے۔ حالات مناسب ہوں تو بچپ پیدا ہو جائے ورنہ انکار کرو، وہیں لیٹا رہے مزے سے۔

یہ شوک ہبھی ختم نہ ہو گا؟ ہوا گیس سے بوجبل ہی رہے گی؟ دودھ والا کبھی ادھر نہ آئے گا؟ بھجے بیان رہنے کا بالکل چاؤ نہیں۔ کاش میں والپیں اپنی ماں کے بدن میں جا سکتا، وہاں سکون تھا۔ اب میرا کوں کچا جسم اُس طوبی اڈیت کا جسے زندگی کہتے ہیں متحل نہیں ہو سکتا۔ اس میں میرا تو قصور نہیں، صرف ان لوگوں کا ہے جو خدا نے تجھے پیدا کیا اور اس سے پیشتر ہوا کو صاف اور تازہ رکھنے کا جتن نہیں کیا۔ شور کا گلا نہیں گھونٹا۔ میرے لیے دودھ کا انتظام نہیں کیا۔ بھجے زندہ رہنے کے لیے تین چیزوں درکار ہیں۔ ہوا، دودھ اور نیند۔

گھری اس چار چیزوں میں میرا کروں گا یہاں رہ کر۔ شاید ٹبے ہوئے پران تین چیزوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی گرمیں بڑا کیسے ہوں گا؟ اور اگر ہو جگی گی تو کیا کروں گا بڑا ہو کر کہ نرے گیں کے غبارے دکھ کر ہی میرا دم گھٹ جائے گا میں اُس دودھ کو نہیں پیوں گا جو میرے اندر تین کچھ رہا ہے۔ سو میں سکتا نہیں۔ ماں میں اس ہوا میں ضرور لمبے لمبے سانس لوں گانا کہ جب وہ والپیں آئیں تو انہیں میرے دودھ کی نکری ہو۔ لمبے لمبے سانس۔!

ایک سگریٹ ایش ٹرسے میں وضرا ہے۔ اُس میں سے دھراؤں پھوٹ رہا ہے۔ سرٹک پر پڑے طیر گیس کے گولے میں سے اسی طرح آہستہ آہستہ دھراؤں اٹھتا ہو گا۔

لوہ سے کاٹتا

ہمارے اوپر چھاؤں ہو رہی ہے۔

کھڑکتے خالی ٹین نعروں، نظاموں کا ایک مڈی دل ہمارے سر بزکھیتوں پر بیٹھ رکھے۔

پودوں، پتزوں، کونسلوں کی شکلیں ملجم ہو رہی ہیں۔

ہر یادیں مٹیوں کے اتحاد پسیٹ میں منتقل ہو رہی ہے۔

سب کچھ پر وہ فنا میں روپوش ہونے کو ہے۔

دیکھو، وہ اس کمزیت کے کاغجن پر، پاڑچے اور دھول پر، مٹدوں اور ماہل پر، بیٹھ

رہے۔

بیزرس کی زرمی کے بعد وہ کذری اور لوہے کی سختی بھی اپنے شکم میں اُتارے گا۔

ویکھو اب وہ ہماری نجی بیٹھیوں، مصبوط بازوؤں پر بھی تردند جم رہا ہے۔

تم اسے اڑا نہیں سکتے۔

(یا پھر سہیں مہلت دو)

پدن، پھر ساروں کا سرمیٹی بجھتے ہوتے اور کچھ نوجوانی کی چمک سے روشن، تو انہیں ایک بکنٹیں کی پنجابی میں بجھتے زور لگاتے ہیں، اُسے گیر رہے ہیں جنود میں کی جگہ ان کے بوڑھے اور جوان پیشے کمپنی رہے ہیں۔ بیشتر پر لدی ٹنڈیں بزرے کی ابتداء پانی کو گھرا تیروں میں سے کمپنی کر باہر لا رہی ہیں۔ نشاں میں سے تذر کر سرستا پانی اولوی گرتا ہے اور نال میں بہتا کھینتوں میں جاذب ہوتا ہے۔

پدن، درمیان میں گزرے تیر کے چار چیزیں ایک مشقتوں دائرے میں گھوم رہے ہیں، زور لگاتے، محنتل کے پیسے سے تڑ۔ وہ سائنس درست کرنے کے لیے بھی ایک نہیں سکتے کہ وہ ہمیشہ سے اس پنجابی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے پیچے، ان کی ننھی میٹھیوں کے پیچے، گاہ صی پر اس سے پشتی ان کے احساس فرض کے سوا اور کوئی بوجھ نہ تھا۔

گراب وہاں گاہ صی پر، ان کی ننھی میٹھیوں کے پیچے ایک اور جسم تھا۔ لشکتے دانتوں والا، زہر آؤ دھنک اگلا ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں شیشم کی ایک پتلی ڈالی، ایک چمکتی جو بدنوں پر لگاتا رہتی تھی۔ چمک کے پہلے وار پاؤں نے حیرت سے ڈک کر پیچے دیکھا کہ احساس فرض کے بوجھ کو کس نے ہٹا کر وہاں اپنا بوجھ ڈال دیا۔ مگر ان کی گذزوں کے گرد پنجابی کسی گئی اور انھیں معلوم ہرگیا کہ وہ مُڑ کر و کمکھ نہیں سکتے اور وہ ڈک بھی نہیں سکتے تھے۔

ہم ہمیشہ سے اس پنجابی میں بجھتے ہوتے ہیں۔

ہم من مرثی سے مشقتوں بننے ہوئے ہیں کہ سبز ساغتوں کو ابدریت حاصل ہو۔

ایک ایسی شب جب ہماسے پیچھے گاہ صی پر احساس فرض کے سوا کوئی بوجھ نہ تھا اسی کسی نے چوری پیچھے چکل کے پیچے کو گرفت میں لینے والے دے کے کتے، یعنی دانت کو میل جادہ کر دیا۔ ہمیں تصرف اس وقت جب ہم سائنس درست کرنے کی خاطر رکے اور یکدم پنجابی ہماری گزوں کے گرد کسی گئی۔ ہماسے پاؤں زمین پرے آنکھ رنے لگئے کہ آہنی لٹتے کی عین موجودگی میں چکل کے پیچے کو دکھنے والی کوئی شے دی

اور حکل کے اوپر بوجھ ہوتا ہے پانی سے بھری شنڈوں کا اور یہ وجھ ہمیں اُسی طے قدر ہو جاتے ہے پر مجبو رکر رہا تھا۔ ہمایتے بد نوں کو واپس کھینچ رہا تھا۔ ہم نے پسلے جھٹکے کے بعد پنجاب کو سنبھال لیا۔ ورنہ ایک اُٹا چکر شروع ہو جاتا اور ماہل مخالفت سکت میں گھوم جاتی اور بھری ہوئی شنڈیں واپس کرنا تمیں بیس جا گرتیں۔ پانی ختم جانا مگر ہم ڈٹے رہے۔ ہم نے ایک ہزار ان قوت کو بر فتنے کا رلا کر پھر سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ کمزیتیں کو گھٹنا شروع کر دیا اور اُسی لمحے ہمارے جھموں پر مختاری پھمک کا پہلا دار ہوا۔ تم کھیتوں کی رکھوالی کرنے کی بھاجتے گا وہی پر بیٹھے ہوئے تھے ہمارے مالک بن کر۔

ہم اس دھرتی کے جنور ہیں، ہمیں اس کی خدمت کرنے وہ۔
ہم نے تھیں اپنے کھیتوں کی حفاظت کرنے کے لیے منصب کیا تاکہ ان کی منڈریں
ٹھہرے نہ جائیں، ان میں چڑھے اور نیوں سوداخ نہ بنالیں، کوئی شریک پانی کو
روک کر اس کا رخ اپنے کھیتوں کی طرف نہ کر لے۔ تاکہ تم پنگرتی فصلوں کو چڑیوں
اور کالے ڈھوڑوں کوں سے بچاۓ رکھو۔

تم ہم میں سے ہو گر ہماں سے کامے ہو کر ان کھیتوں میں ہماری مشقتوں سے
تن تندوں کے لیے جو بالیں تیار ہوتا ہے تم بھی تو اس کے حصہ دار ہو،
ہم نے تھیں اس کا حصہ دار بنایا، خدا اپنی من مرضی سے۔ پھر تم ہماری
پیٹھ چیچے چیچے سے اُکر گا وہی پر کیوں اُکر بیٹھے گئے ہو! انتھا سے ہاتھوں
میں پتی چھک کیوں ہے جو ہلکے بد نوں پر بس رہی ہے؟
منڈریں ڈھنے رہی ہیں ان کی نکو کر د۔

کھاد کو سورنگل رہے ہیں۔
لکی پر کوں کی رکھوالی ہے۔
گندم کی بالیاں چڑھوں کے دانتوں تھے ہیں:
خربوزوں میں گیدڑوں رہے ہیں۔